باب۔۱۰

ترجمہ

فص ہودیہ

حکمت احدیہ

انّ للّٰہ الصراط المستقیم ظاہر غیر خفی فی العموم
بے شک سیدھا راستہ اللہ ہی کا ہے۔ ظاہر ہے، یہ نہیں کہ سب سے مخفی ہے یا بالکل مخفی ہے
فی کبیر و صغیر عینۂ وجھول بامور و علیم
ہر چھوٹی بڑی چیز میں اس کی ذاتِ حقہ ہے۔ نادان، دانا، عالم و جاہل سب میں اس کی ذاتِ مقدسہ ہے
ولھٰذا وسعت رحمتۂ کل شئی من حقیر و عظیم
یہی وجہ تو ہے کہ رحمت، جس کی وجہ سے وجود ملتا ہے
ہر شئے کو احاطہ کرتی اور سمالیتی ہے، خواہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ

مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ [(یعنی) زمین پر چلنے والوں میں کوئی ایسا نہیں جس کی چوٹی خدا کے ہاتھ میں نہ ہو، میرا رب تو سیدھی راہ پر ہے (وہ جو کرتا ہے اچھا کرتا ہے) (ھود:۵۶)]۔ ہر شخص جو زمین میں چلتا ہے اس کا ایک فطری مقصد ہوتا ہے جو اس کے عینِ ثابتہ کا اقتضا ہوتا ہے۔ میرے رب کے ہاتھ میں سب کے موئے پیشانی اور سب کی چوٹی ہے۔ بے شک میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے۔ جو کرتا ہے اقتضائے عین کے مطابق کرتا ہے۔

پس ہر شخص، بلکہ ہر شئے جو راستہ چلتی ہے، جو کام کرتی ہے، وہ اپنی فطرت کے موافق کرتی ہے۔ اُس تجلی سے کرتی ہے جو اس کے عین پر ہوتی ہے۔ پس ہر چلنے والا اپنے رب کے سیدھے راستے پر ہے۔ وہ اس وجہ سے اپنے رب کے پاس نہ مغضوب ہے نہ ضال و گمراہ۔۔۔ جیسے ضلال و گمراہی عارضی ہے ایسے ہی غضبِ الٰہی بھی عارضی ہے۔ مآل (یا بالآخر انجام) غضب کا رحمت ہے جس کو سب کی سمائی ہے۔ رحمت کو سب پر سبقت ہے۔ (ہر ایک) رحمت کے اقتضا سے پیدا ہوا۔ رحمت کے دامن میں پرورش پاتا ہے۔ رحمت ہی کی طرف سب کا انجام ہے۔ کافر دوزخ میں بھی رہیں تو موجود ہونا، وجود کا عطا ہونا رحمت کا تقاضا نہیں ہے تو (پھر اور) کیا ہے۔؟

حق تعالیٰ تو کامل ہے۔ ناقابل ترقی ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے اپنے کمالِ ذاتی کی طرف حرکت کرتا ہے۔ لہٰذا وہ بھی "دَابَّةٍ" میں، یعنی چلنے والے میں داخل ہے۔ کیا ممکن بذاتہٖ حرکت کرے گا۔۔؟ اس میں روح ہے۔ تجلی الٰہی ہے۔ جو اس کو اس کے کمالِ فطری کی طرف لے چلتی ہے۔ پس ہر ایک میں روح ہے۔ (وہ) خود بخود حرکت نہیں کرتا بلکہ اس کو دوسرا لے (کر) چلتا ہے۔ اس کی حرکت بالتّبع ہے، بالعرض ہے۔ وہ کون ہے۔۔؟ وہ ذاتِ حق ہے، جو صراط مستقیم پر (دستیاب) ہے۔ راستہ تو اسی وقت بنتا ہے جب اُس پر چلیں۔

اذا دان لک الخلق فقد دان لک الحق

جب خلق نے تیری اطاعت وفرماں برداری کی تو اس کے رب نے جس کے ہاتھ میں اس کے موئے پیشانی ہے۔ اور اس کو سیدھے فطری راستے پر لے جا رہا ہے اس نے بھی موافقت کی

وان دان لک الحق فقد لا یتبع الخلق

جب خدا تیرے موافق ہوتا ہے اور تجلی فرماتا ہے اور اسرار کو منکشف کر دیتا ہے تو بعض خلق اس کو قبول نہیں کرتی۔ جیسے کافر انبیا کی وحی قبول نہیں کرتے

فحقق قولنا فیہ فقولی کلہٗ حق

اس مسئلے میں ہمارے قول کو حق سمجھو۔ میرا یہ قول بالکل حق ہے

فما فی الکون موجود تراہ مالہٗ نطق

موجودات میں کوئی ایسا موجود نہیں جس کو تم دیکھتے ہو کہ اس کو نطق (یعنی بولنے کی طاقت) نہ ہو ہر شئے خدا کی تسبیح کرتی ہے مگر تم نہیں سمجھتے۔ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَـٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ (یعنی) کوئی شئے ایسی نہیں ہے جو خدا کی تسبیح نہ کرتی ہو، مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، (الاسراء: ۴۴)۔

وما خلق تراہ العیر نُ الا عینہٗ حق

ہر خلق جس کو آنکھ دیکھتی ہے وہ ذاتِ حق سے منتشی و منتزع (یا حاصل شدہ) سمجھی جاتی ہے پس خلق بلحاظ حقیقتِ عین، حق ہے۔ اور بلحاظ صورت، غیر حق ہے

ولکن مودع فیہ لھٰذا صورہٗ حق

حق خلق میں ودیعت وامانت ہے، جیسے مطلق مقید میں۔ لہٰذا خلق کی صورتیں تجلیاتِ الٰہی کے ڈبّے ہیں

جاننا چاہیے کہ علوم الٰہی ذوقی اہل اللہ کو حاصل ہیں۔ وہ تو ان کے اختلاف سے جو ان علوم سے حاصل ہوئے ہیں مختلف ہیں۔ حالاں کہ ان سب کا مرجع ایک ہی عین وذاتِ حق ہے۔ حدیث قدسی سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، [کنت سمعہ وبصرہ ولسانہ ورجلہ ویدہ، (صحيح البخاري، فتح الباري، تحفة الأحوذي)] (یعنی) میں اس کی سماعت ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور میں اس کی بصارت ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے،

اور میں اس کا پیَر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور میں اس کا ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔۔۔اس حدیث میں مذکور ہے کہ حق کی ہویت وذات ان جوارحِ اعضا کا عین ہے، اور یہ جوارح (یعنی اعضا) بندوں کے عین ہیں۔ پس ذات بالذات اور ہویتِ حقہ ایک ہی ہے، اور جوارح و اعضا مختلف ہیں۔ ہر عضو جس کو 'جارحہ' کہتے ہیں ایک علم ذوقی وادراکِ خاص سے مختص ہے۔ یہ کل علوم ہر ہر عضو کے ایک ہی عین وذات اور ذات وہویت سے ہیں، اور جوارح واعضا کے اختلاف سے وہ علوم بھی مختلف ہوتے ہیں۔

جیسے، پانی کی ایک حقیقت ہے لیکن مقامات اور جگہوں کے اختلاف سے وہ مزے میں مختلف ہوتا ہے۔ کہیں کا پانی شیریں اور پیاس بجھانے والا ہے اور کہیں کا پانی شور اور کھاری ہے۔ مگر ہر حال میں وہ پانی ہی رہتا ہے اور اپنی حقیقت سے نہیں بدلتا۔ اگرچہ اس کے مزے بدلتے رہتے ہیں مگر ماہیت وہی رہتی ہے۔

یہ حکمت، ارجل واقدام ہے یعنی سلوک و عمل سے متعلق ہے۔ اور یہ علم سلوک، ثابت ہے قولہٗ تعالیٰ 'فی الاکل' سے۔ یعنی غذائے روحانی اس شخص کے لیے ہے جو کتبِ الٰہی کو قائم کرے۔ اس پر عمل کرے۔ (اس بارے میں) آیت یہ ہے، وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم، [(یعنی) اگر یہ (اہل کتاب) تورات اور انجیل کو قائم کرتے اور ان کتابوں پر عمل بھی کرتے جو ان کے رب کی طرف سے ان پر اتاری گئی ہیں تو ان کو آسمان اور زمین سے رزق ملتا، (وہ) اوپر سے اور پیروں تلے سے بھی کھاتے۔ (المائدہ:٦٦)]۔

تفسیر: اگر یہود ونصاریٰ تورات وانجیل کو قائم کرتے اور ان کے احکام بجالاتے اور ان پر عمل کرتے تو ان کو اوپر سے غذا ملتی مثلاً درختوں کے پھل۔ اور نیچے سے (بھی) غذا ملتی مثلاً ترکاریاں۔ اور خیر وبرکت حاصل ہوتی۔

اعتبار: اگر وہ تورات وانجیل پر عمل کرتے اور ان کے حقائق ومعانی میں تدبر کرتے اور غور وفکر کرتے تو ان کے اوپر سے علوم الٰہیہ ان کے ارواح پر فائض ہوتے۔ اور ان کے نیچے سے علوم سلوکیہ ان کی غذا ہوتی۔

غرض کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو 'اکل' میں اشارتاً ان لوگوں کی شان میں ذکر فرمایا جن پر اس نے حکم کو لکھا۔ ان لوگوں نے اس کو قائم نہ کیا۔ اگر وہ لوگ اس کو قائم کرتے تو وہ علوم الٰہیہ سے غذا حاصل کرتے جن کا ان کی روحوں پر فیضان ہوتا اور ان علوم سے وہ پرورش پاتے جو سلوک سے ان کو حاصل ہوتا۔

یہ علوم سلوک اور ارجل واقدام (یعنی راہِ سلوک پر چلنا اور عمل) اس لیے ہے کہ طریق جس کے معنیٰ صراط اور راستے کے ہیں وہ سلوک یعنی رفتار اور چلنے پھرنے کے لیے ہے۔ چلنا پھرنا بغیر پیروں کے نہیں ہو سکتا۔ یہ شہود جو موئے پیشانی پکڑ کر صراط مستقیم فطرت پر لے چلنے میں ہے، بغیر سلوک اور عمل کے حاصل نہ ہوتا۔ کیوں کہ وہ علوم ذوق ووجدان کے اقسام وفنون میں سے خاص فن ہے۔

Siddiqui Publications

واضح ہو کہ "قَود" سامنے سے کھینچنے کو اور "سَوق" پیچھے سے ہانکنے کو کہتے ہیں۔ یہاں قود سے مراد ہر انسان سے اس کی فطرت کے مطابق افعال صادر کروانا ہے، اور سوق سے مراد اس کے افعال کے نتائج کی طرف ہانکنا ہے۔ "دبور"، پچھوا مغربی ہوا جو پیچھے سے چلتی ہے (اور) شام کو چلتی ہے۔ اس سے مراد ہوا و ہوس (اور) خواہشات نفسانی ہے جو برے کاموں کے باعث ہوتے ہیں۔ "صبا"، سامنے کی صبح کی ہوا، مشرقی ہوا۔ اس سے مراد ہوائے ہدایت، ریاحِ فتح و نصرت ہے۔ حدیث میں وارد ہے، **نصرت بالصّبا و اھلکت عاد بالدّبور**، (یعنی) مجھے صبا سے فتح و نصرت دی گئی اور قوم عاد، دبور سے ہلاک کی گئی۔ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ، [(یعنی) ہم مجرمین کو (جہنم کی طرف) ہانکیں گے، (مریم:۸۶)]۔ یہ مجرمین وہ لوگ ہیں جو اُس مقام کے مستحق ہیں جس کی طرف اللہ تعالیٰ (نے) ان کو ہوائے دبور سے ہانکا ہے اور اللہ نے ان کے نفسوں سے اور ریح دبور (اور) ہوا و ہوس سے ہلاک کیا ہے۔ پس حق تعالیٰ ان کے موئے پیشانی پکڑ کر کھینچتا اور ہوا ان کو ہانکتی ہے۔ یہ ہوا عین ان کی خواہشات اور ہوائے نفسانی ہیں۔

یہ جہنم وہی بُعد ہے جو ان کے وہم میں تھا۔ اور جب اللہ نے ان کو اس مقام میں پہنچادیا تو وہ لوگ عین قرب میں آ گئے۔ ان کے حق میں جہنم کا مسمیٰ ان سے دور ہو گیا۔ (وہ) استحقاق کے سبب قرب نعیم خاص پر فائز ہوئے جو ان کی فطرت کا مقتضی تھا، کیوں کہ وہ لوگ گناہ گار اور مجرم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس مقام ذوقِ لذیذ کو امتناناً (اور بطور احسان) بلا عمل نہیں دیا۔ بلکہ ان لوگوں نے اس کو اپنے حقائق کے استحقاق سے ان اعمال کی وجہ سے لیا جن پر یہ لوگ پہلے تھے، اور اپنی فطرت پر دوڑ رہے تھے۔ اس لیے کہ ان کے موئے پیشانی ایسے کے ہاتھ میں تھے جو استقامت سے موصوف ہے۔ وہ لوگ اس طرف اپنے ظاہری ارادے سے بخوشی و برضا نہیں گئے بلکہ اپنی فطرت و اقتضائے طبیعت (اور) استعداد عینِ ثابتہ کی وجہ اس طرف جبراً چلائے گئے۔ یہاں تک کے وہ عین قرب میں پہنچ گئے۔ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَـٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ، (یعنی) ہم بہت نزدیک ہیں اس سبب سے بہ نسبت تمھارے مگر تم نہیں دیکھتے، (الواقعۃ:۸۵)۔۔۔ میت اس واسطے دیکھتی ہے کہ اس کی آنکھوں سے ایک حد تک پردہ اٹھا دیا (جاتا) ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی بصارت روزِ قیامت تیز ہو گی۔۔۔ قرب و کشف غطا فی الجملہ (یا جملہ متنازعہ) کسی خاص میت سے مخصوص نہیں، یعنی قربِ وجودی میں شقی سے سعید ممتاز نہیں، مگر کافر کو قرب مع علم و رویت نہیں ہوتا۔ كَلَّا إِنَّهُمْ عَن رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوبُونَ، (یعنی) ہرگز نہیں بے شک وہ اپنے رب سے اس دن مجوب ہوں گے، (المطففین:۱۵)۔

(اللہ فرماتا ہے) ہم شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ (یہ کہہ کر اس نے) ایک انسان کو دوسرے انسان سے خاص نہیں کیا۔ پس اخبارِ الٰہی میں خدا کے بندے کے ساتھ قرب ہونے میں کوئی خفا و پوشیدگی نہیں۔ اور کوئی قرب اس سے زائد نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کی ہویت و ذات بندے کے اعضا کی عین ہو۔

بندہ کیا ہے؟ یہی اعضا اور قویٰ ہے۔ اس کے سوائے کوئی دوسری چیز نہیں۔ پس بندہ وجود و منشا کے لحاظ سے غیر حق نہیں۔ وہی خلق میں حق مشہود ہے۔ پس خلق معقول ہے۔ سمجھنے کی بات ہے۔۔۔ اور حق تعالیٰ محسوس ہے۔ موجود فی الخارج ہے۔

حق، مومنین اور اہل کشف و وجدان کے پاس مشہود و مرئی ہے۔ اور جو لوگ ان دونوں مومنین و اہل کشف و وجدان کے سوا ہیں، ان کے پاس حق تعالیٰ معقول ہے اور خلق مشہود ہے۔ پس یہ لوگ یعنی غافلین، بمنزلہ آبِ شور (یا مثل نمکین پانی) کے ہیں۔ اور جماعت اول یعنی اہل کشف و وجدان، بمنزلہ آبِ شیریں (یا مثل میٹھے پانی) کے ہے، جو پیاس بجھاتا ہے اور پینے والے کو گوارہ اور پچتا ہے (اس کی زبان اور اس کا معدہ قبول کرتا ہے)۔

لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ ہیں جو راستے پر چلتے ہیں اور اس کی غایت و مقصد کو جانتے ہیں۔ دوسرے وہ ہیں جو راستے پر چلتے تو ہیں مگر اس کی غایت و انجام کو نہیں جانتے۔ حالاں کہ ان کا راستہ بھی وہی ہے جس کو دوسری قسم نے پہچان لیا ہے۔

دیوانگی پہ میری ہنستے ہیں عقل والے
تیری گلی کا رستہ پوچھا تری گلی میں (امجد حیدرآبادی)

پس عارف، اللہ کی طرف بصیرت و بینش کے ساتھ لوگوں کو بلاتا ہے۔ اور غیر عارف، اللہ کی طرف تقلید و جہالت سے بلاتا ہے۔ کیوں کہ یہ علم خاص، اسفل و سلوک سے حاصل ہوتا ہے۔ (یوں) ارجل یعنی ہر شخص سے نیچے ہے۔ اور جو اس سے بھی نیچے ہے وہ اسفل السّافلین ہے، (پست ترین ہے، نیچوں سے نیچ ہے)۔ پیر کے نیچے کیا ہے۔۔؟ راستہ ہی ہے۔

پس جس نے جان لیا کہ حق عینِ طریق ہے تو اس نے اصلِ امر کو اصلی طور سے پہچان لیا۔ اس لیے کہ وہ اسی ذات جل و علا میں چلا ہے۔ (اور) اس وجہ سے کہ وہی معلوم ہے اور وہی عین سالک و مسافر ہے۔ پس کیا عالم، کیا معلوم، اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں۔

اب اپنی حقیقت کو پہچانو کہ تم کیا ہو، اور تمھارا راستہ کیا ہے۔۔۔ اصلِ امر تم کو ترجمانِ حق کی زبان سے ظاہر و واضح ہو گیا، اگر تم سمجھ گئے ہو۔ اور وہ ترجمانِ حق کی زبان، حق ہے مگر اس کو وہی سمجھے گا جس کو حق تعالیٰ سمجھا دے۔ حق تعالیٰ کی بہت سی نسبتیں ہیں اور اس کے مختلف جہات ہیں۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ عاد قوم ہودؑ نے کہا، هَـٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا، (یعنی) یہ ابر ہم لوگوں پر برسنے والا ہے، (الاحقاف: ۲۴)۔ تو انھوں نے حق تعالیٰ سے ظنِ خیر اور گمانِ نیک کیا۔ حق تعالیٰ بندے کے گمان کے پاس ہے، جو وہ حق سے رکھتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے اس قول سے لفظ " بَلْ " سے اضراب کیا اور فرمایا کہ، بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم بِهِ، (یعنی) بلکہ یہ وہی ہے جس کے لیے تم عجلت کر رہے تھے، (الاحقاف: ۲۴)۔ اور ان کو اس خبر سے خبر دی جو قرب میں نہایت ہی تمام و کمال درجے پر ہے۔

اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر بارش بھیجی تو وہ زمین کا حصہ اور تخموں کا سیراب کرنا تھا، جو اس میں بوئے گئے تھے۔ اور اس بارش کے نتیجے پر کچھ مدت بعد پہنچیں گے۔ اسی لیے اللہ نے ان سے فرمایا، بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُم بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ، (یعنی) بلکہ یہ وہ چیز ہے جس کے لیے تم جلدی کر رہے تھے، یہ ریح ہے، ہوا ہے، اس میں درد ناک عذاب ہے، (الاحقاف:۲۴)۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اس کی راحت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اس لیے کہ ریح (ہوا) نے ان کو اس ہیکل، تاریک جسمانی اور راستۂ دشوار گزار و ناہموار اور حجاب ہائے سیاہ و دیجور سے (یعنی نہایت تکلیف اور اذیت سے نکلنے میں) تقاضائے فطرت کے لحاظ سے راحت بخشی ہے۔ اس ریح میں عذاب ہے۔ یعنی ایسی چیز ہے جس کو وہ آئندہ شیریں اور لذیذ سمجھیں گے، جب وہ اس کو چکھیں گے۔ مگر یہ بالفعل ان کو ترکِ مالوفات و مجربات ہونے سے (یعنی پسندیدہ چیزوں کے چھوٹ جانے سے) ستائے گی اور تکلیف دے گی۔ پھر ان کے پاس عذاب آگیا اور ان کو ہلاک کیا۔ پھر اس ہوا میں ان کا مطلوبِ طبعی و مقصودِ فطری، اس سے زیادہ قریب ہو گیا جتنا انھوں نے اس کو خیال کیا تھا۔

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ، (یعنی) پس ہوا نے ہلاک کر دیا ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے، پھر وہ قوم ایسی ہو گئی کہ اس کے گھروں کے سوائے کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا، (الاحقاف:۲۵)۔

اعتبار: گھروں سے مراد ان کے اجسام ہیں جن کو ان کے ارواحِ حقیہ نے آباد کیا تھا۔ پھر ان خاص نسبتوں کا وجود باقی نہ رہا۔ ان کے اجسام میں حضرتِ حق سے وہ حیاتِ خاصہ رہ گئی جس سے پوست، ہاتھ، پاؤں، جوڑوں کے کنارے (اور) ران گواہ ہوں گے۔ ان تمام باتوں کے متعلق نصوص الٰہی اور ظاہر و واضح احکام وارد ہو چکے ہیں۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذاتِ مقدسہ کو غیرت سے موصوف فرمایا ہے۔ اس کی غیرت ہی کا تقاضا تھا کہ فحش کو حرام کیا۔

اعتبار: فحش کیا ہے۔۔؟ وہی جو ظاہر ہو۔ فحش باطنی بہ نظر اس شخص کے ہے کہ جس پر ظاہر ہوا۔ جب خدائے تعالیٰ نے فواحش کو حرام کیا، یعنی منع کیا کہ ہم نے جو بیان کر دیا ہے اس کی حقیقت ظاہر ہو جائے۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عینِ اشیا ہے۔ اس حقیقت کو غیرت ہی سے چھپایا۔ وہ غیرت کیا ہے۔۔؟ خود تو ہے، جو غیر سے ماخوذ ہے۔ جو غیر ہوتا ہے کہتا ہے (کہ) سماعت زید کی سماعت ہے۔ عارف کہتا ہے، سماعت عینِ حق ہے۔ اسی طرح باقی تمام قویٰ اور اعضا بھی عینِ حق ہیں۔ مگر ہر ایک حق تعالیٰ کو نہیں جانتا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگوں میں تفاضل ہے۔ مراتب میں امتیاز ہے۔ پس اس تقریر سے فاضل، مفضول سے (اور) نیک، بد سے جدا و ممتاز ہو گیا۔

{شیخؒ فرماتے ہیں} معلوم رہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاورسل صلواۃ اللہ علیہم اجمعین کے ذوات مجھے دکھادیے (گئے) تو میں ایک مقام ومشہد میں قائم کیا گیا تھا۔ یہ واقعہ شہر قرطبہ میں سنہ ۵۸۶ھ میں ہوا۔ اس جماعتِ انبیامیں سے کسی نے مجھ سے گفتگو نہیں کی، مگر ہودؑ نے۔۔۔ ہود علیہ السلام نے تمام انبیاؑ کے جمع ہونے کی وجہ بیان کی، کہ شیخ ابن العربی کو قطبیت کی مبارکباد دیں اور یہ کہ شیخ، خاتم ولایت، خاصہ مقیدہ ہیں۔

{شیخؒ کہتے ہیں} میں نے ہود علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ موٹے تازے آدمی ہیں۔ خوبصورت خوش بیان ہیں۔ عارفِ حقائق اور ان کے بیان کرنے والے ہیں اور ان کے کشف پر میری دلیل یہ ہے۔ قولہٗ تعالیٰ، مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ، (یعنی) کوئی چلنے والا نہیں ہے مگر یہ کہ اللہ ان کے موئے سر پکڑے ہوئے ہے۔ میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے، (ھود: ۵۶)۔ خلق کو اس سے زیادہ بڑی اور پوری بشارت کیا ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات سے ہے کہ ہودؑ کے اس قول کو قرآن شریف میں ہم تک پہنچادیا۔

پھر اس احسان کو کامل کر دیا، جامع کل محمد صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (نے)۔ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دی کہ وہ عین سمع، وبصر، ویدرجل، ولسان ہے۔ یعنی وہ عینِ حواس ہے اور قوائے روحانیہ ہے۔ ہرچند کہ حواس سے بھی اقرب ہے مگر بعید ترین محدود یعنی حواس جسمانیۂ محدود کو بیان کر کے قریب غیر محدود یعنی حواس روحانیہ سے کفایت کیا۔

ہودؑ نے اپنی قوم سے جو کچھ کہا تھا اس کو حق تعالیٰ نے ہماری بشارت کے لیے ترجمہ فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی جانب سے جو قول ہم کو بطور بشارت کے تھا، ترجمانی کی۔ پس علم کامل ہو گیا۔ ایسے لوگوں کے سینے میں جو علم دیے گئے ہیں اور ہماری آیتوں سے جو کافروں کے سوائے دوسرا کوئی انکار نہیں کرتا، کیوں کہ وہ چھپاتے ہیں گو کہ وہ جانتے ہیں۔ یہ چھپانا حسد و بخل و ظلم کی وجہ سے ہے۔

ہم نے خدائے تعالیٰ کے پاس سے خدائے تعالیٰ کے متعلق اور اس کی طرف رجوع ہونے والی صفات کے بیان میں کوئی آیت، کہ خدا نے اتاری ہو، یا (کوئی) حدیث کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی اور ہم کو پہنچائی ہو، نہیں دیکھی، مگر محدود۔۔۔ خواہ تنزیہ سے ہو خواہ تشبیہ سے۔۔۔ سب سے پہلے "عما" کا مرتبہ ہے کہ اس کے اوپر ہوا ہے، اور اس کے نیچے ہوا۔ حق تعالیٰ خلق کے پیدا کرنے سے پہلے ایسا نہیں تھا۔ عما سے مراد مرتبۂ وحدت ہے جو تمام تفصیلات کا اجمال ہے، اور تمام تعینات کا مجملاً جامع ہے۔ تمام قابلیلاتِ شیون کو حاوی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ، (یعنی) تختِ حکومت پر جلوہ گر ہوا، (طٰہٰ: ۵)۔ یعنی واحدیت کے مرتبے میں ظہور فرمایا جو تمام اسماوصفات پر مشتمل ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی تحدید ہے، (محدود کرنا ہے)۔ پھر فرمایا کہ آسمان، دنیا پر نزولِ اجلال فرماتا ہے۔ پھر فرمایا کہ آسمان میں بھی اس کی حکومت ہے اور زمین میں بھی۔

اور یہ بھی فرمایا(کہ) ہم جہاں کہیں ہوں وہ بھی وہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس نے فرمایا کہ وہ ہمارا عین ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم تو محدود ہیں لہٰذا اپنے آپ کو بھی ہمارے لحاظ سے محدود بیان فرمایا۔

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ بھی محدود ہے۔ اگر کاف زائد ہو اور اس میں صفتی معنٰی نہ ہوں (تو) یہ آیت، لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ، (یعنی) اللہ کے جیسا کوئی نہیں، (الشوریٰ:۱۱)، کے بمنزلہ ہوئی۔ اگر ایک شے دوسری محدود شے سے ممتاز و جدا ہو تو وہ بھی محدود ہی ہوئی۔ اس لیے کہ وہ اس دوسری محدود شئے کی عین نہ ہوئی۔ پس تقئید سے مطلق رہنا بھی تقئید ہے اور مطلق اطلاق سے مقید ہے، مگر اس کو تو ذی فہم سمجھے گا۔ اگر كَمِثْلِهِ میں کاف بمعنٰی مثل کے ہو تو بھی تحدید لازم آتی ہے۔ اس وقت صورت یہ ہو گی، لیس مثلہٖ شئی، یعنی انسان جو صورتِ الٰہی پر ہے اس کے جیسا کوئی نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی تحدید ہے۔ اور اگر لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کے یہ معنی لیے جائیں کہ وہ بے مثل ہے یعنی اس کا مثل ہے ہی نہیں، تو خود اُس سے اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ حق عینِ اشیا ہے۔ اور اشیا تو محدود ہیں اگرچہ ان کے حدود مختلف ہیں۔ پس حق تعالیٰ ہی ہر حد سے محدود ہے۔ جس شئے کی تحدید کرو وہ حق موجود ہی کی تحدید ہے۔ وہی مسمّائے مخلوقات و ذوات مبدعات و ممکنات (یعنی اشیائے مخلوقات) میں ساری ہے۔ اگر حق تعالیٰ کا اشیائے مخلوقات میں سریان (یا مدغم ہو جانا) نہ ہوتا تو اشیا موجود نہ ہوتے۔ حق تعالیٰ عینِ وجود ہے۔ وہ ہر شئے کا اپنی ذات سے محافظ ہے، اور کسی چیز کی حفاظت اس کو (نہیں) تھکاتی، اور اس پر دشوار نہیں۔ حق تعالیٰ کا اشیا کی حفاظت کرنا کیا ہے۔۔۔؟ اپنی صورت کی حفاظت کرنا ہے کہ وہ کہیں غیر کی صورت نہ ہو جائے۔ اس کے سوا کوئی اور بات ہرگز صحیح نہیں۔ پس وہ ہر شاہد میں سے شاہد ہے، اور ہر مشہود میں سے مشہود ہے۔ پس عالم، حق کی صورت ہے اور حق، روحِ عالم ہے اور اس کا مدبّر ہے۔ وہ مع عالم، انسانِ کبیر ہے۔

فهو الكون كلّهٗ　　　وهو الواحد الذی
قام كونی بكونهٖ　　　ولذا قلت يغتذی
فوجودی غذاؤهٗ　　　وبهٖ نحن نحتذی

تمام وجود وہی ہے۔ وہ ایک ہی ہے جس کے وجود سے میرا وجود قائم ہے۔

اسی لیے میں نے کہا کہ وہ سب کو غذا بناتا اور ان کو ہضم کرلیتا ہے۔

میرا وجود اس کی غذا ہے جو اس میں فنا ہو جاتا اور چھپ جاتا ہے۔ اور اس بات میں ہم بھی اس کی اقتدا کرتے ہیں۔

یعنی جب ہم اپنے آپ پر نظر کرتے ہیں تو وہ ہم میں چھپا رہتا ہے۔

فيهٖ منه ان نظر　　　ت بوجه تعوّذی

جب اس کو دیکھتا ہوں تو وہ ایک طرح سے میری پناہ ہے

واضح ہو کہ ذاتِ احدیت میں کثرت کی گنجائش ہی نہیں۔ اس کے بعد وحدت کا مرتبہ ہے جس میں کثرت بالقوہ ہے۔ اس میں تفصیل کی قابلیت ہے۔ ان قابلیلات کو شیونِ الٰہیہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد اسماو صفات کی تفصیل کا مرتبہ ہے۔ اس کو' واحدیت' کہتے ہیں۔۔۔ بسیط و اوّلی صفات تین ہیں، جن کو' امہات الصفات' کہتے ہیں۔ حیات، علم، قدرت (اور) علم کے دو مددگار ہیں، سمع و بصر۔۔۔ قدرت کے بھی دو مددگار ہیں، ارادہ و کلام۔۔۔ یا یوں کہو کہ امہات الصفات سات ہیں۔ ۱) حیات۔ ۲) علم۔ ۳) سمع۔ ۴) بصر۔ ۵) قدرت۔ ۶) ارادہ۔ ۷) کلام۔ علم میں معلومات ہیں ان کو اعیان ثابتہ کہتے ہیں۔ اعیان ثابتہ چوں کہ علم الٰہی ہیں اس لیے خدائے تعالیٰ کے ساتھ قدیم ہیں۔ تحتِ کُن و مخلوق نہیں۔ ورنہ جہلِ واجب، اور پیدا کرنے کے بعد جاننا لازم آتا ہے۔، جو اضطرار و بے اختیاری ہے۔ اعیانِ ثابتہ گویا حق تعالیٰ سے طلبِ وجود کرتے ہیں اور رحمتِ حق جوش میں آکر عطائے وجود کرتی ہے۔ {اس کو شیخؒ نے کرب سے تشبیہ دی ہے}۔ حق تعالیٰ اعیان ثابتہ کی طرف توجہ کرتا ہے۔ گویا کہ یہ بصر ہے۔۔۔ (وہ) اعیان کے اقتضاءت و استعدادات کو جانتا ہے۔ گویا کہ یہ سمع ہے۔۔۔ اعیان کو موجود کرنے کے لیے (وہ) اپنے اسما و تجلیات کو متوجہ کرتا ہے۔ یہ قدرت ہے۔ پھر ارادے سے متعین وجود کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ پھر کُن فرماتا ہے۔ یہ کلام ہے۔ اس کے ساتھ مخلوق موجود ہوتی ہے۔ کُن کے بعد جو مخلوق پیدا ہوتی ہے اس کو کلمۃ اللہ کہتے ہیں۔ آدمی بات کرتا ہے تو سانس اور دَم، مخارج پر سے گزرتا ہے تو بات بنتی اور کلمہ نکلتا ہے۔ توجہ بہ سوے تخلیق، بمنزلہ نفس رحمانی اور اسمائے الٰہیہ بمنزلہ مخارج کے اور ہر مخلوق بمنزلہ کلمۃ اللہ کے ہے۔ اسی جوش و کرب کی وجہ سے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے تنفس کیا اور سانس لیا۔

حق تعالیٰ سے اعیان پر فیضِ وجود رواں ہوا۔ اس کو نفسِ رحمانی کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ اسم رحمٰن سے اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے۔ نسب الٰہیہ یعنی اسماوصفات (اور) اعیان و حقائق، ایجاد صور عالم کا تقاضا کرتے تھے جس کو اس نے پورا کیا۔ صور عالم ظاہر حق ہیں کیوں کہ وہی ظاہر ہے۔ صورتِ عالم میں حق تعالیٰ ہی باطن و پوشیدہ ہے۔ اس لیے کہ باطن وہی ہے۔ وہی اول تھا جب حق تعالیٰ تھا اور صور عالم نہ تھے۔ وہی آخر ہے اور عینِ صور ہے جب صور ظاہر ہوئے۔ پس آخر، عینِ ظاہر ہے اور اول، عینِ باطن ہے۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (یعنی) وہ ہر شئے کا جاننے والا ہے، (البقرۃ:۲۹ اور کئی آیات میں)۔ اس لیے کہ وہ اپنا جاننے والا ہے۔ حق تعالیٰ نے نَفسِ رحمانی میں صور عالم کو ایجاد فرمایا اور نسبتوں واضافتوں کا غلبہ اور ان کی سلطنت و حکومت قائم ہوئی۔ نسبتوں سے مراد اسمائے الٰہیہ ہیں تو عالم کی نسبت حق تعالیٰ سے صحیح ہوئی اور اہل علم حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہوئے۔ پس حدیث قدسی کے ذریعے سے حق تعالیٰ نے فرمایا۔ " میں آج تمھاری نسبتوں کو پست کردوں گا اور اپنی نسبت کو بلند کروں گا"۔ یعنی نہ تمھاری ذات رہے گی نہ تمھارے صفات وافعال، بلکہ یہ سب نسبتیں میری طرف رجوع ہوں گی۔ پس میری ہی

ذات وصفت وفعل رہیں گے۔این المتقون،(یعنی) کہاں ہیں متقی لوگ؟ جنھوں نے حق تعالیٰ کو اپنا محافظ وسپر بنایا۔ حق تعالیٰ ان کا ظاہر تھا یعنی ان کے صور ظاہرہ کا عین تھا۔ تمام اہل اللہ کے پاس ایسے لوگ بزرگ تر، سزاوار اور قوی تر ہیں۔ کبھی متقی کے معنیٰ لیے جاتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو، اپنی صورتِ محسوسہ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا سپر (ڈھال) بنادے، یعنی برائی یا عیوب کو اپنی طرف لے۔ کیوں کہ ذاتِ حق ہی قوائے عبد ہے۔ پس ذاتِ عبد، ذاتِ حق کے لیے سپر بن جائے، جیسا کہ شہود و کشف اس پر دال ہے۔ تاکہ عالم، جاہل سے ممتاز ہو جائے۔

حق تعالیٰ فرماتا ہے۔قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ(یعنی) کہہ دو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں برابر ہوتے ہیں؟ جس کو عقلِ خالص ہوتی ہے وہی نصیحت پکڑتا ہے،(الزمر:۹)۔ اولو الالباب اور اصحابِ عقل خالص سے وہ لوگ مراد ہیں جو مغز شئے میں نظر کریں، جو شئے سے مطلوب ہے۔ کوتاہی کرنے والے، کوشش کرنے والے کے برابر نہیں۔ اسی طرح مزدور غلام کی برابری نہیں کر سکتا۔

حق تعالیٰ بندے کا ایک وجہ سے محافظ (ہے) اور بندہ بھی حق کا ایک طرح سے محافظ ہے۔ پس اے عارف! عالم کے متعلق جو چاہو کہو۔ چاہو تو کہو کہ عالم و خلق، مخلوق و حق کا پیدا کیا ہوا ہے، تو صحیح ہے۔ چاہو تو کہو کہ عالم باعتبار اصل و حقیقت حقہ کے حق و خلق ہے۔ یعنی حق و خلق باہم ملے ہوئے ہیں۔ چاہو تو یوں کہو کہ عالم ہر وجہ سے حق ہے نہ خلق۔۔۔اگر چاہو تو عالم کے متعلق کچھ نہ کہو۔ حیران و ششدر بن کر بیٹھے رہو۔

غرض کہ تعینِ مراتب سے مطالب ایک دوسرے سے جدا و ممتاز ہو چکے ہیں۔ اگر تحدید و تعیین نہ ہوتی تو رسل علیہم السلام ظہور حق کی صور عالم میں خبر نہ دیتے اور نہ اس طرح توصیف کرتے کہ ذاتِ حق و احدیت، صور سے پاک ہے۔

فلا تنظر العین الا الیہ ولا یقع الحکم الا علیہ

آنکھ دیکھتی ہے تو اسی کو دیکھتی ہے، حکم لگتا ہے تو اسی پر لگتا ہے، اس لیے کہ معدوم محض پر کوئی حکم نہیں لگ سکتا

نحن لہ وبہ فی یدیہ وفی کل حال فانّا لدیہ

ہم اس کے ہیں، اس سے قائم ہیں، اسی کے تحتِ قدرت ہیں، اور ہر حال میں اس کے پاس ہیں

اسی وجہ سے کوئی تعیینِ مراتب سے انکار کرتا ہے۔ کوئی اس کی معرفت رکھتا ہے۔ کوئی تنزیہ احدیتِ ذات کرتا ہے۔ کوئی توصیف واحدیت کرتا ہے۔ جس نے حق کو حق سے حق میں چشم حق سے دیکھا وہ عارف ہے۔ اور جس نے حق کو حق سے حق میں دیکھا مگر اپنی آنکھ سے، (تو) وہ عارف نہیں۔ اور جس نے

حق کو نہ دیکھا، نہ حق سے، نہ حق میں، اور انتظار کرتا رہا کہ حق کو اپنی آنکھ سے دیکھے وہ جاہل ہے۔ نادان ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ ہر شخص کا حق تعالیٰ کے متعلق ایک عقیدہ ہوتا ہے۔ اسی عقیدے کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا اور اسی کو طلب کرتا ہے۔ جب اس کے سامنے حق تعالیٰ کی تجلی ہوتی ہے اور اس کے عقیدے کے موافق ہوتی ہے تو اس کو پہچانتا (ہے اور) اس کا اقرار کرتا ہے۔ اگر اس کے عقیدے کے خلاف تجلی ہوتی ہے تو انکار کرتا ہے اور اس سے پناہ مانگتا ہے۔ وہ اپنی دانست میں حق تعالیٰ کا ادب کر رہا ہے، مگر حقیقت میں بے ادبی کر رہا ہے۔

کوئی شخص کسی معبود کا معتقد نہیں ہوتا مگر یہ کہ اپنے دل میں پہلے اس کو بنا نہیں لیتا۔ پس جتنے معبود ہیں دل کے بنائے ہوئے ہیں۔ ہر خدا پرست نے اپنے نفس اور اپنے خیالات کے سوا کچھ نہ دیکھا۔

علم و معرفتِ حق میں لوگوں کے مراتب پر غور کرو۔ اس لیے کہ وہی مراتب، روز قیامت رویت و دیدار بننے والے ہیں۔ یعنی علم شہود ہوگا، بصیرت بصارت بنے گی۔ اس کی وجہ اور سبب کو تو میں نے بیان ہی کر دیا۔ دیکھو اپنے کو اس بات سے بچاؤ کہ کسی مخصوص قید سے مقید ہو جاؤ اور ماسوا سے انکار کر بیٹھو کہ تم سے خیر کثیر فوت ہو جائے۔ بلکہ واقعی نفس الامر ہی فوت ہو جائے۔ تم اپنی ذات میں معتقدات کی صورتوں کا ہیولیٰ بن جاؤ۔ جو صورت آئے قبول کر لو۔ کیوں کہ اللہ تبارک تعالیٰ اس سے وسیع تر و عظیم تر ہے، کہ کوئی ایک عقیدہ اس کو حصر (یعنی محدود) کرے، اور دوسرا اس سے بالکلیہ غیر مربوط ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰـهِ (یعنی) تم جدھر منہ پھیرو اس طرف وجہ اللہ ہے، (البقرۃ:۱۱۵)۔ یہ نہیں کہ ایک جہت کا ذکر کیا ہو اور دوسری کو چھوڑ دیا ہو۔ بلکہ فرمایا کہ اسی طرف وَجْهُ اللّٰـهِ ہے۔

وجہ شئے سے مراد اس کی حقیقت اور ذات ہے۔ حق تعالیٰ نے اس قول سے عارفین کے قلوب کو متنبہ کر دیا کہ کہیں حیاتِ دنیا کے عوارض ایسے شہود جمالِ حق سے باز نہ رکھیں۔ کیوں کہ معلوم نہیں کہ کس دم روح قبض ہوتی ہے۔ بعض دفعہ غفلت میں روح قبض ہو جاتی ہے۔ بھلا ایسا غافل اُس شخص کے کیا برابر ہو گا جس کی روح حالِ حضور میں قبض ہوئی ہو۔ یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ عبدِ کامل آیت فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا کے معنی سمجھتا ہو۔ ابھی صورتِ ظاہر و حالِ مقیدہ میں لازم سمجھتا ہے کہ مسجد حرام یعنی قبلے کی طرف اپنا منہ کرے اور دل میں اعتقاد رکھتا ہے کہ نماز کی حالت میں حق تعالیٰ جہت قبلہ میں ہے۔ قبلہ بھی فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰـهِ میں کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے۔ پس جہت مسجد حرام بھی ان ہی مراتب میں سے ایک ہے۔ اس جہت میں بھی وَجْهُ اللّٰـهِ ہے، مگر یہ نہ کہو کہ وہ صرف اسی جہت میں ہے۔ بلکہ جہاں پاؤ وہاں ٹھیر جاؤ۔

دیکھو! ادب ہمیشہ پیش نظر رکھ کر مسجد حرام کی طرف منہ کرو۔ اس کا بھی ادب کرو، کہ کہیں ذاتِ حق کو ان مخصوص مقامات میں محصور (نہ) کر دو۔ وہ مقامات بھی قبلہ ہائے مقصود کے جہات سے ہیں۔ اس سے تم کو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر قبلۂ توجہ میں ہے۔ توجہ اور منہ کرنے سے کیا مراد ہے۔۔؟ عقیدہ و اعتقاد ہے۔ ہر ایک، ایک لحاظ سے راست اور صائب الرائے ہے۔ ظاہر ہے کہ صائب الرائے کو اجر ملے گا، اور وہ ماجور ہو گا۔ ماجور، سعید و خوش بخت ہے۔ اور سعید اپنے رب کے پاس مرضی و مقبول ہے، اگرچہ آخرت میں تھوڑے زمانے کے لیے مصائب شقاوت اٹھائے۔ یہ ہم کو معلوم ہے کہ دنیا میں بعض خاصانِ حق کو امراض بھی آئے۔ رنج و غم بھی ہوئے۔ حالاں کہ ہم کو معلوم ہے کہ وہ سعید ہیں۔ اہل حق ہیں۔ بعض اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ ان کو آخرت میں ان کی فطرت کے مطابق دائرۂ جہنم میں درد و غم پہنچیں گے، حالاں کہ ان اہلِ علم کو یقین ہے۔ جن کو حقائق واحوال واقتضاءات کا کشفِ صحیح ہے کہ دارِ آخرت میں ان کے لیے نعمتِ خاص بھی ہے۔ اس لیے کہ بیت الخلا کے کیڑوں کو بیت الخلا میں رہنا ضرور ہے۔ وہ گلاب کی خوشبو سے مر جاتے ہیں۔

در گراں باری بود آسائش حمال ہا

[حمالوں (یعنی بوجھ اُٹھانے والوں) کی آسانی، گراں باری (یعنی وزن ڈھونے) ہی میں ہے۔]

ان کی نعمتِ خاص، دو راہ سے ہے۔ اول دنیا کی کشمکش سے چھوٹے۔ اس کشمکش سے چھوٹنا بھی ایک قسم کی راحت ہے۔ سزایاب کے حق میں حوالات کی حالت سے نکلنا بھی راحت ہے۔ دوم اہلِ جنت کی نعمت جدا قسم کی ہے۔ اور اہلِ دوزخ کی نعمت ایک دوسرے ہی قسم کی ہے۔

واللہ اعلم وعلمہ اُتم

(اللہ ہی بہتر واقف ہے، اُسی کا علم کامل ہے)۔